اردو کی خواتین افسانہ نگاروں میں سماجی واخلاقی مسائل کی عکاسی

ڈاکٹر تسنیمہ پروین
اسسٹنٹ پروفیسر، ڈورنڈہ کالج، رانچی

ملخص

جب سے خواتین افسانہ نگاروں نے ادب کی دنیا میں قدم رکھا ان کا واسطہ نت نئے مسائل کے ساتھ تھا سب سے بڑا مسئلہ پردہ کا مسئلہ تھا عورتوں کا بولنا بھی، لکھنا بھی اس وقت ایک بڑی بات تھی شروعاتی دور میں خواتین افسانہ نگاروں نے اپنے نام کے بجائے دوسرے ناموں سے لکھا جیسے منر عبد القادر، محترمہ زیڈ بی، بنت باقر وغیرہ ایسے وقت میں جب خود اپنے شناخت کا مسئلہ رہا ہو عورتوں کو انصاف دلانے اور ظلم وستم سے نجات دلانا ایک مشکل مرحلہ تھا لیکن خواتین افسانہ نگاروں نے ان دشواریوں سے گزرتے ہوئے ادب کے میدان میں نہ صرف قدم رکھا بلکہ ظلم وستم کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند کیا۔ زمانے کے تغیرات کے ساتھ مسائل میں بھی تبدیلی آئی۔ ان افسانہ نگاروں نے ہر مسئلہ پر اپنی کہانیوں کے ذریعہ سماجی بیداری کی کوشش کی اخلاقی قدروں کی پامالی پر توجہ مرکوز کرائی کوئی بھی زمانہ ہو اس کے اپنے تقاضے اور مسائل ہوتے ہیں چاہے وہ سماجی مسائل ہوں یا پھر اخلاقی مسائل وہ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ اپنا روپ بدلتے ہیں لہٰذا یہ تبدیلیاں ہی فنکاروں کو نئے نئے تجربات کرنے پر آمادہ کرتی ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور کا بنیادی مسئلہ تقریباً ایک جیسا ہوتا ہے کل بھی عورتوں پر ظلم ہو رہے تھے آج بھی مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ ہاں وقت کے ساتھ انداز میں ضرور تبدیلی آئی ہے۔ چونکہ عورتیں عورت کے دکھ درد سے زیادہ واقف ہوتی ہیں اس لیے جب ان خواتین افسانہ نگاروں نے لکھنا شروع کیا تو اردگرد اطراف واکناف کے مسائل پر ہی لکھنا شروع کیا اور ان مسائل کو اپنے افسانوں

کا موضوع بنایا۔آج ایکسویں صدی میں عورتوں کو الگ قسم کی پریشانیوں سے واسطہ ہے۔اس لیے آج کی قلم کار عصری مسائل کے ساتھ عورتوں کے مسائل پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے۔

☆☆☆

ادب زندگی کا آئینہ ہے اور اس آئینہ میں زندگی کے اخلاقی قدروں کو من وعن دیکھا جا سکتا ہے۔ادب کا رشتہ سماج سے گہرا ہوتا ہے۔سماج اور معاشرے میں رونما ہونے والے واقعات و حادثات کی عکاسی کا بہترین ذریعہ ادب ہے زندگی تغیر پذیر ہے اگر زندگی میں تبدیلیاں رونما ہونگی تو اس کے اثرات ظاہری طور پر سماج میں بھی پڑیں گے کیوں کہ ادب کا سماج سے براہ راست رشتہ ہوتا ہے۔کوئی بھی زمانہ ہو اس کے اپنے تقاضے اور مسائل ہوتے ہیں چاہے وہ سماجی واخلاقی مسائل ہوں یا معاشی واقتصادی مسائل وہ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ اپنا روپ تو بدلتے ہیں لہٰذا یہ تبدیلیاں ہی فنکاروں کو نئے نئے تجربات کرنے پر آمادہ کرتی ہیں۔اس لیے ادب کی ہر صنف میں یہ مسائل نئے روپ میں نظر آتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور کا بنیادی مسئلہ تقریباً ایک جیسا ہوتا ہے چونکہ ادیب سماج کا ایک حصہ اور ایک ایسا فرد ہوتا ہے جو حساس ہوتا ہے وہ ان مسائل کو ضبط تحریر میں لاتا ہے جو ان کے اردگرد رونما ہوتے ہیں۔وہ ان سب چیزوں کا باریک بینی سے مشاہدہ کرتا ہے اور ان گوشوں کو ابھارتا ہے جن سے عام لوگوں کی زندگی متاثر ہوتی ہے خصوصاً خواتین افسانہ نگاروں نے ایسے موضوعات پر خامہ فرسائی کی جو اس وقت کے اہم مسائل تھے جیسے تعلیم نسواں،لڑکیوں کی کم سنی میں شادی کے مضر اثرات، بیوہ کی بدسے بدتر حالات اور مشرقی عورتوں کی روایتی وفاداری اور پردہ وغیرہ۔

افسانے کے موضوعات اکثر سماج کے سماجی واخلاقی مسائل رہے ہیں۔افسانے نے انسانوں کے دکھ درد زندگی کے اتار چڑھاؤ سبھی کچھ اپنے اندر سمیٹ لیا افسانہ نگاروں نے نہ صرف ان مسائل کو پیش کیا بلکہ معاشرے کی برائیوں اور ظلم و ناانصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اگر ہم ابتدائی دور کا ذکر کریں تو دیکھتے ہیں کہ اس دور میں تعلیم کا رواج کم تھا۔بدعقیدگی زیادہ تھی بیٹیوں کو معاشرے میں بوجھ سمجھا جاتا ہے اور بیٹی پیدا ہونے پر بہو کو منحوس سمجھا جاتا تھا اور گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔بیٹیوں کو پیدائش کے بعد مار دیا جاتا تھا ان تمام سماجی واخلاقی تنزلی کو افسانہ نگاروں نے بغور مطالعہ ومشاہدہ کیا اور اپنے افسانوں میں پیش کیا۔

خواتین افسانہ نگاروں کا سفر 1927ء سے شروع ہوتا ہے جس کے ثبوت کے طور پر تہذیب نسواں، عصمت اور نیرنگ خیال جیسے اپنے دور کے مقبول عام جرائد 1927ء اور اس کے بعد کے شماروں کو پیش کیا جا سکتا ہے عظمت النساء بیگم کا افسانہ پاؤں میں زنجیر، ماہنامہ عصمت کے جولائی 1927ء کے شمارے میں شامل تھا۔ اس کے بعد سیدہ فضل فاطمہ بیگم کا افسانہ فرزانہ بیٹی، مسز یوسف الزماں کا افسانہ 'سونا' اور رضیہ ناصرہ کا افسانہ 'سودائے خام' نومبر 1927ء کے شمارے مین شائع ہوا۔ اس دور کی ادیباؤں میں رشیدۃ النسا، اکبری بیگم، منر عباس طیب جی، صغریٰ ہمایوں، بیگم شاہنواز، مسز عبدالقادر، نذر سجاد حیدر اور حجاب امتیاز علی وغیرہ چند اہم نام ہیں جن کے یہاں اصلاحی و اخلاقی مسال ، سماج میں پھیلے برے رسم و رواج کے خلاف آواز اٹھائی گئی ہے۔ آگے چل کر ان افسانہ نگاروں کے یہاں سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی زندگی کے ان گوشوں کو بھی بے نقاب کیا جن پر قلم اٹھانا اس زمانے میں بڑی بات تھی اس دور کی ایک اہم افسانہ نگار نذر سجاد حید نے سماجی اور اصلاحی کاموں میں بڑھ چڑھکر حصہ لیا۔ نذر سجاد نے ایسے وقت میں جب شریف خواتین کی آواز کا بھی گھر سے باہر سنائی دینا جرم سمجھا جاتا تھا انھوں نے اپنی کہانیوں کے ذریعہ خواتین کو ایک ایسی زندگی جینے کی دعوت دی جس پر صدیوں تک مردوں کی حکمرانی رہی تعلیم نسواں کی مخالفت، پردے کی قید و بند، تعداد ازدواج وغیرہ رسومات مسلم معاشرہ کا حصہ بنے رہے ان رسومات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی اور ادب کے ذریعہ عوامی شعور بیدار کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ جن ادیبوں نے اس قلمی محاذ کا بیڑھ اٹھایا ان میں نذر سجاد حیدر بھی تھیں ان کے دوسو سے زیادہ افسانے شائع ہو چکے ہیں۔

نذر سجاد حیدر کے بعد جو اہم نام ہمیں نظر آتا ہے ان میں حجاب امتیاز علی کا ایک انفرادی مقام ہے۔ اپنے اسلوب، موضوع، واقعہ کی نوعیت اور کرداروں کے لحاظ سے خواتین افسانہ نگاروں میں کوئی ان کے مقابلے میں نہیں رکھی جا سکتی۔ خواتین اردو ادب کا یہ پہلا دور انیسویں صدی کے اواخر سے بیسویں صدی کی تیسری دہائی پر محیط ہے۔ ان کی تخلیقات خانگی، سماجی و اخلاقی مسائل سے ان کی آگہی اور ان کی عکاسی ان کے افسانوں کا اہم موضوع رہا ہے۔

خواتین افسانہ نگاروں کا دوسرا اور اہم دور بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے شروع ہوتا ہے ڈاکٹر رشید جہاں اس دور کا اہم نام ہیں انھوں نے 1930ء کے قریب لکھنا شروع کیا

انگارے میں ان کی دو کہانیاں دلی کی سیر اور پردے کے پیچھے نے ان کی شہرت کو چار چاند لگا دیا۔ رشید جہاں 1926ء میں ڈاکٹر ہوئیں اور دہلی کے متوسط طبقہ کے رہائشی علاقے میں پریکٹس شروع کیں اس دوران ان کا سابقہ ایسی خواتین سے ہوا جو نسوانی امراض کی پوٹلیاں تھیں۔ جن کی زندگی دکھ جھیلنے ساس نند کے طعنے سننے اور میاں کی جنسی خواہشات پورا کرنے میں گذر رہی انھیں دیکھ وہ مشتعل ہو اٹھیں اور پھر مسلم معاشرہ کے خلاف اپنا قلم بلند کیا ان کا افسانہ پردے کے پیچھے گھٹے گھٹے پر عفونیت ماحول میں زندگی بسر کرنے والی خواتین کی المناک زندگی اور مرد کی ہوسنا کی کے جاندار نقش ابھارے گئے ان کے افسانہ دلی کے سیر کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

> ''مجھے اسباب پاس چھوڑ یہ رفو چکر ہوئے اور میں اسب پر چڑھی برقعے میں لپٹی بیٹھی رہی، ایک تو کم بخت برقعہ، دوسرے مردودے۔ مرد تو ویسے ہی خراب ہوتے ہیں۔ اگر کسی عورت کو اس طرح بیٹھے دیکھ لیں تو اور چکر لگاتے ہیں پان کھانے کی نوبت نہ آئی۔ کوئی کمبخت کھانسے، کوئی آواز کسے اور میرا ڈر کے مارے دم نکلا جائے۔''1

رضیہ سجاد ظہیر اردو افسانہ نگاری میں ایک اہم نام ہے۔ انھوں نے ایسے مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا جن کا تعلق سماج کے پسماندہ عوام اور کمزور طبقے سے تھا۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں متوسط گھریلو زندگی کی عکاسی کی رضیہ سجاد ظہیر کے بعد ہم عصمت چغتائی کے افسانوں میں بھی متوسط طبقے کی نوعمر لڑکیوں کی جنسی بیداری اور اس سے پیدا ہونے والی الجھنوں کو پیش کیا ساتھ ہی انھوں نے ہندوستانی عورت کی محکومی، مظلومی و شدید بے چارگی کا نقشہ بہت خوبصورتی سے اپنے افسانوں میں پیش کیا۔ عصمت کا ایک افسانہ باندی جس میں بڑے بھائی افضل میاں کو جب پتہ چلتا ہے کہ چھمن میاں لونڈیوں کے نام سے ہی لعن طعن بکنا شروع کر دیتے ہیں تو انہیں مذہب کا حوالے دے کر سمجھانے آتے ہیں گفتگو ملاحظہ ہو:

> ''بکواس مت کیجیے ایسی کوئی بات نہیں اصل میں مجھے ایسی باتیں پسند نہیں، میرا مطلب ہے بغیر نکاح ناجائز ہے۔''
>
> ''مگر سرکار باندی تو جائز ہے۔''

''اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہمارے جدامجد سب کے سب حرام کار تھے۔ایک آپ پیدا ہوئے ہیں متقی پرہیز گار''

''میرا خیال ہے کہ---''

''آپ کا خیال سالا کچھ نہیں، کبھی ارکان دین کا مطالعہ فرمایا ہے؟''

''نہیں تو مگر---- یہ بات عقل میں نہیں آتی۔''

''پتھر پڑ گئے ہیں آپ کی عقل مبارک پر''

مگر قانوناً جرم ہے۔''

''ہم یہ کافروں کے قانون کو نہیں مانتے، ہم خدا ذوالجلال ولکرام کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہیں۔تمہاری مرضی تم کو جگ ہنسائی کا شوق ہے تو کون روک سکتا ہے۔''

''جہالت سب جہالت کی باتیں ہیں۔''

''ہمارے قبلہ وکعبہ جاہل تھے۔''

''ہوں گے مجھے کیا پتہ۔''

''ابے کیوں گھاس کھا گئے ہو--- بزرگوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی رواج بنایا اب تک ہمارے خاندانوں میں اسی پر عمل ہوتا چلا آیا ہے جوان لڑکے بے راہ نہیں ہوتے بری لتوں سے بچتے ہیں صحت اچھی رہتی ہے۔''

''یہ سب حرام کاری کو جائز بنانے کے ہتھکنڈے ہیں۔''

''تم کفر بک رہے ہو۔۔۔ مذہب کے توہین۔''

''ارے جایئے بڑے مذہب والے آئے مذہب کی بس ایک ہی بات دل پر نقش ہے۔'' 2

ان مکالموں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مذہب کے نام پر برائیاں اور استحصال عام تھا۔ جہالت کی انتہا تو یہ کہ حرام کاری کو بھی مذہب کی آڑ میں جائز قرار دے دیا گیا تھا۔

عصمت کے افسانے متوسط طبقے کے مسلم گھرانوں کی زندگی، مذہبی عقائد، توہمات وغیرہ کا بیانیہ ہیں جن کا موضوع جنس ہے عصمت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے جنسی

عریانیت کے باوجود اپنی کہانیوں مین ایک گہری سوچ اور فکر کے عناصر کو پیش کیا۔

صالحہ عابد حسین بیسویں صدی کی ایک ذہین فنکارہ ہیں ان کی کہانیاں اخلاقی، معاشرتی اور اصلاحی نقطۂ نظر کے غماز ہیں۔ رسم ورواج گھریلو زندگی کی پر اثر مصوری ان کے افسانوں کا خاصہ ہیں صالحہ کے کردار ایسے فرد ہیں جو طبقاتی کشمکش اور سماجی استحصال کا شکار ہیں چاہے وہ 'لوٹ' کے کردار ہو''اللہ رکھے'' یا پھر''ماں کی ممتا'' کے ان کرداروں کی اکثریت نسوانی کرداروں کی ہے جو مظلومیت کا مرقع ہیں۔

جیلانی بانو اردو کی وہ منفرد اور حساس افسانہ نگار ہیں جنھوں نے طبقۂ نسواں کے اندر بیداری پیدا کرنے کی کوشش کیں۔ ان کی کہانیوں میں جہاں عورتوں کا استحصال نظر آتا ہے وہیں عورتوں کا باغیانہ روپ بھی دکھائی دیتا ہے مثال کے طور پر ان کا افسانہ''راستہ بند ہے'' کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''میں اب وہاں جاؤں گی، ہمارا گھر توڑ دیے، ساماں پھینک دیے، کیا ہم سڑکوں پر رہیں گے اب؟ میں وہاں جا کر پوچھوں گی جہاں انصاف ہوتا ہے۔۔۔؟ بوڑھی عورت زور زور سے رونے لگی۔۔۔ گیٹار والے لڑکے نے اسے تھام لیا۔
>
> آپ کے لیے وہاں جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے ماں جی جہاں انصاف ہوتا ہے آگے راستہ بند ہے۔'' 3

جیلانی بانو نے اپنے افسانوں میں انسانوں کے حق وانصاف کے لیے آواز بلند کی ہے۔

ہاجرہ مسرور کے افسانوں میں وہ خاموش جذبات بولتے نظر آتے ہیں جو دبی کچلی عورتوں کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں وہ عورت کو مردوں کے دوش بدوش دیکھنے کے مدعی ہیں ان کے دو حوالے ہیں ایک جنس اور دوسرا پیٹ کی بھوک۔ سماجی زندگی اور انسانی فطرت پر جس طرح کا طنز انھوں نے کیا وہ قابل ستائش ہے۔ مثلاً

> ''کئی اپنے شوہروں کی نظر میں- پرانا گھسا ہوا فال ہو کر، مائیکے میں پڑی تعویذوں اور پیر صاحبان کے عملیات کے ذریعے۔۔۔ اپنی پھٹی پرانی جوانیاں رفو کرا رہی تھیں۔۔۔'' 4

ہاجرہ مسرور نے عورت کے حوالے سے اس معاشرے کو دیکھا تھا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ معاشرے میں سماجی معاشرتی اور تہذیبی اقدار کی وجہ سے عورت گھٹن کا شکار ہے۔

خدیجہ مستور نے سماج میں طبقاتی جدوجہد کی اہمیت کو سمجھا انھوں نے عورتوں کی مظلومیت کو محسوس ہی نہیں کیا بلکہ اپنے افسانوں میں اس کا ذکر بھی کیا۔ ان کی کہانیوں میں معاشرے کے غریب لوگوں کے تئیں ہمدردی ظاہر کی گئی ہے انھوں نے شر کے خلاف خیر کے حق میں اپنی آواز بلند کی ہے مظلوم انسانوں کی سوئی ہوئی قسمت کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔

کسی بھی صداقت میں گہرائی و گیرائی رہنی چاہیے موجودہ دور میں ادب مقاصد اور اخلاق کی تعلیم براہ راست نہیں دیتا وہ حقیقت کو الگ زاویہ نظر سے پیش کرتا ہے قرۃ العین حیدر اردو کی وہ افسانہ نگار ہے جنھوں نے اپنے افسانے کے ذریعہ ایک نئی سوچ عطا کی وہ جانتی تھی کہ اخلاق زمانے کے مطابق بدلتا رہتا ہے ہر زمانہ اور ہر تہذیب کے اخلاقی اصول الگ ہوتے ہیں جب کوئی زمانہ بدل جاتا ہے تو نہ صرف اس زمانے میں افراد دوسرے آجاتے ہی بلکہ مروجہ اخلاقی قانون وضابطہ میں بھی تغیرات ہوجاتے ہیں اس طرح پھر ضرورت کے مطابق نئے اصول وضع کیے جاتے ہیں اور یہ لامتناہی سلسلہ چلتا رہتا ہے قرۃ العین حیدر افسانہ نگاری کا گہرا علم رکھتی ہیں اور ان کی یہ خواہش تھی کہ افسانہ جدیدیت کے اصولوں کے مطابق لکھی جائیں اور ان میں کوئی خامی نہ رہیں اس پیس منظر میں ممتاز شیریں، جمیلہ ہاشمی، بانو قدسیہ، خالدہ حسین، فہمیدہ ریاض اور زاہدہ حنا کو قرۃ العین حیدر کی روایت کا امین اور شکیلہ اختر، ہاجرہ مسرور جیلانی بانو، صغریٰ مہدی، بشریٰ رحمٰن اور واجدہ تبسم کو عصمت چغتائی کی جانشین قرار دیا جاسکتا ہے۔

معاصر خواتین افسانہ نگاروں نے اپنی روایت کی توسیع کی اس ضمن میں دو افسانہ نگار خواتین کا بیک وقت نام لیا جاسکتا ہے ایک ذکیہ مشہدی اور دوسری ترنم ریاض اس تہذیبی وثقافتی سیاق وسباق میں ان کے کردار کبھی اجتماعی قدروں کی نمائندگی کرتے ہیں اور کبھی انفرادی قدروں کی مگر انسانیت پر سے ان کا اعتماد کبھی متزلزل نہیں ہوتا تہذیبی اور ثقافتی مسائل کو کرداروں کے روپ میں پیش کردینے کے ہنر سے یہ واقف ہیں۔

1960ء سے لے کر 2018 کے درمیان ایک طرح سے تین پیڑھیاں شانہ بہ شانہ مسلسل

عمل پیراں ہیں جنھوں نے آج کے عہد کی بہت خوبصورتی سے عکاسی کی ہی آج کے عہد کے مسائل میں بہت تیزی سے تبدیلیاں آرہی ہیں رشتے ناطے کمزور پڑ گئے فحاشی جسم فروشی، غیر اخلاق ی افعال، قتل وغارت گری دہشت گردی، فرقہ وارانہ فسادات، انسانیت کا قتل، بربریت کا ننگا ناچ وحشت درندگی اور دولت کے حصول کے لیے ہر جائز ناجائز طریقے استعمال میں آنے لگے ہیں انسانی قدریں اتنی تیزی سے زوال پذیر ہورہی ہیں کہ انسانیت ششدر ہیں بیسویں صدی نے اکیسویں صدی کے سفر میں افسانے میں موضوعات یکسر بدل گئے سماجی قدروں کا فقدان اور اخلاقی اقدار کی تنزلی آج کے عہد کے چیلنجز ہیں اکیسویں صدی میں جہاں رشتوں کی نوعیت بدلی ہے وہیں رشتوں میں مکمل سپردگی، ایمانداری اور وفاداری کا بھی قحط پڑا ہے نئے عہد کے یہ رشتے کہیں انسانیت کو شرمندہ کررہے ہیں تو کہیں رشتے عورت کی بکھرتی زندگی کو سنوار رہے ہیں رشتوں کے اس تضاد کو بے حد خوبصورتی کے ساتھ غزال ضیغم نے اپنے افسانہ ''زندہ آنکھیں مردہ آنکھیں، میں پیش کیا ہے۔ نگار عظیم کا افسانہ حصار صبیحہ انور کا افسانہ 'واپسی' قمر قدیر ارم کا افسانہ ''موسموں کی خوشبو' ہاجرہ مشکور کا افسانہ رشتوں کے جنازے، تسنیم فاطمہ کا افسانہ آدھا چاند، رخشندہ روحی کا افسانہ مسز کاظمی، کہکشاں پروین کا بدذات وغیرہ ایسے نئے اردو افسانے ہیں جن میں رشتوں کا بدلتا معیار ابھر کر سامنے آرہا ہے۔

مذکورہ افسانہ نگاروں کے علاوہ بھی خواتین افسانہ نگاروں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ جنھوں نے اپنے افسانوں میں سماجی و اخلاقی مسائل کی عکاسی کی ہے۔ اردو افسانہ کی موجودہ صورت حال دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نئی آوازوں کی آمد سے نئے امکانات روشن ہوئے ہیں معیار بلند ہوا ہے، نئے امکانات پیدا ہوئے ہیں۔ 1960ء سے لے کر 2018ء کے دوران اردو افسانے میں جدیدیت کی ایک نئی لہر آئی ہے جسے جدید ادیبوں سے فروغ حاصل ہوا۔ ان میں اشرف جہاں، مہہ جبیں نجم، شبانہ رضوی، فرحت جہاں کوثر جہاں، افشاں ملک، انور نذہت، کہکشاں پروین، کوثر پروین، ذکیہ ظفر، شمیم نکہت، ناصرہ شرما، زیب النسا، رفعت جمال، غزالہ قمر اعجاز، رخشندہ روحی، قمر جمالی، نسرین ترنم، فریدہ بانو، نوشابہ خاتون، حسین جبین، روشن آرا، ناظمہ زبیں، خلیق النساء، بتول فاطمہ، نصرت شمسی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

آج ہمارے سامنے کئی سماجی واخلاقی مسائل ہیں بعض مسائل روپ بدل کر ہمارے سامنے

آئے تو بعض نئے ہیں۔آج بھی کسانوں کا حال ابتر ہے سماجی اور طبقاتی کشمکش نے فرقہ واریت کا روپ اختیار کرلیا ہے بے روزگاری آج کا سب سے بڑا المیہ ہے، تعلیم یافتہ طبقہ بے راہ روی کا شکار ہو چکا ہے۔عورتوں کی عصمتوں کے تحفظ کا مسئلہ ہے سوشل میڈیا نے ایک جال بچھا رکھا ہے جس سے نوجوان نسل میں اخلاقی قدروں کی پامالی ہنور میں ہے اکثریتی طبقہ ہر ممکن طریقہ سے اقلیتی طبقہ کو کچلنے کے نت نئے تدابیر میں لگا ہوا ہے۔اس کے علاوہ کرپشن اور تشدد بھی عالمی مسئلہ بن چکا ہے جس کا سد باب اور تدارک ممکن ہی نہیں سائنس اور ٹکنالوجی نے دنیا کو ایک کالونی میں بدل دیا ہے۔مل مالکوں اور مزدوروں کی جگہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مالکوں اور ملازمین کے مسائل نے لے لی ہے کیونکہ تعلیم یافتہ نوجوان دن رات محنت کر کے مالکوں کی حرص کو پوری کر رہے ہیں۔آسائش کی خواہش نے نوجوانوں کو مشین بنا دیا ہے۔رشوت خوری کا تانڈو ہر طرف جاری ہے۔حکمرانوں کی نئی نئی چالوں اور حرکتیں ناقابل برداشت ہو رہی ہیں ۔آج کے خواتین افسانہ نگاروں کے یہاں عورتوں کے دکھ درد ہی نہیں عصری مسائل کا خوبصورت اور فنکارانہ بیان بھی ہوا ہے یہ خواتین افسانہ نگار نسبتاً زیادہ بیدار مغز اور عالمی حالات و واقعات پر نظر رکھے ہوئے ہیں نکسلی تحریر، چائلڈ لیبر، اولڈ ایج ہوم اور سیکس وغیرہ جیسے سماجی واخلاقی مسائل آج کے موضوعات ہیں جن پر کہانیاں لکھی جا رہی ہیں۔آج کی تیز رفتار زندگی میں جو سماجی تبدیلیاں آرہی ہیں اور رشتے کے ٹوٹنے بکھرنے کا عمل جاری ہے ان پر بھی ان کی نظر صاف ہے مگر یہ بھی بہت واضح ہے کہ خواتین نے فوقیت عورتوں کے مسائل کو ہی دی ہے اور عورتوں کی نفسیات اور سماجی ناانصافیوں کو عورت کے نقطۂ نظر ہی سے پیش کیا ہے ہر افسانہ نگار کے یہاں عورت کی سماجی حیثیت کے تعلق سے ایک احتجاج ملا ہے۔

☆☆☆

حواشی:

1۔افسانہ دلی کا سیر، سہ ماہی لوح وقلم جون تا دسمبر، ص 157

2۔عصمت چغتائی کے افسانے، افسانہ باندی، ص 131-130

3۔اردو کی خواتین فکشن نگار۔مرتب مشتاق صدف، ص 88

4۔ہاجرہ مسرور